شعرالعجم کا پس نوآبادیاتی مطالعہ

امتیاز عبدالقادر
ریسرچ اسکالر (اردو)
کشمیر یونیورسٹی، سرینگر

POST COLONIAL STUDY OF SH'IRUL AJAM

Imtiaz Abdul Qadir
Research Scholar (Urdu)
Kashmir University, Srinagar

Abstract

Maulana Shibli Naumani is a renowned scholar and critic of Urdu. He penned many a book on different topics ranging from religion to history, poetry to criticism and so on. His rendition of Sh'irul Ajam is considered one of the greatest works on poetry chiefly in Persian and generally on the eastern tradition of poetry. This five volume book is widely quoted worldwide and the orientalists have also appreciated it for being the comprehensive source on eastern poetry. This article is a study of Shibli's oeuvre in post-colonial perspective.

Keywords:
شعرالعجم، عربی، اردو، ادب، شبلی، حالی، برادون، ایران، گلستان، مکاتیب شبلی

شبلی اردو کے ممتاز نقاد ہیں ۔اردو ادب میں اُن کی کئی حیثیتیں ہیں وہ بیک وقت عالم ،مورخ، سوانح نگار، ماہر زبان ولسان ،شاعر اور نقاد تھے ۔غرض ان کی شخصیت خاصی پہلو دار، متنوع ،وسیع اور ہمہ گیر تھی اور اس کے اثرات ان کی تنقید میں بھی نظر آتے ہیں ۔شبلی فلسفی نہیں تھے اس لیے ان میں فلسفیانہ مزاج تو نہیں ملتا، البتہ مختلف علوم کے سہارے زندگی کے حقائق کی تلاش وجستجو ان کی بنیادی خصوصیت تھی ۔تنقید نقاد کے مزاج اور افتادِ طبع کا عکس ہوتی ہے ۔شبلی کی تنقید بھی ان کے مزاج اور افتادِ طبع کا عکس ہے ۔ان کا مزاج علم، عقل اور جزبے کا مرکب ہے اس لیے ان سب کا متوازن امتزاج ان کی تنقید میں بھی نمایاں ہے ۔اس میں علمیت ہے، گہرا تاریخی اور معاشرتی شعور ہے ۔وہ ایک تہذیبی روایت کے پس منظر میں ابھرتی ہے ۔شبلی کے سماجی اور اجتماعی ماحول نے بھی ان کے اس تنقیدی شعور کی نشو ونما میں خاصا حصہ لیا ہے ۔ان کا زمانہ ہندوستانی مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں اٹھان کا زمانہ ہے ۔اس زمانہ میں مسلمانوں کو سرسید کی قیادت نصیب ہوئی، چنانچہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو بدلا اور اس بدلاؤ میں اس تنقیدی شعور کا بڑا ہاتھ ہے جو سرسید تحریک نے اُس زمانے کے مسلمانوں میں عام کیا ۔شبلی اس ماحول سے متاثر تھے ۔

شبلی نے تنقید کے نظری اور عملی دونوں پہلوؤں کی طرف توجہ کی ہے ۔ان کا خاص میدان شاعری کی تنقید ہے ۔انھوں نے شاعری کے اصولوں پر بھی بحث کی ہے ۔اصناف سخن کے اصول بھی وضع کیے ہیں اور شاعروں پر عملی تنقید بھی کی ہے، اس لحاظ سے ان کی تصنیف ''شعرالعجم ''خصوصیت کے ساتھ اہمیت رکھتی ہے ۔'شعرالعجم ' کی پانچ جلدیں ہیں ۔چوتھی جلد خصوصیت کی حامل ہے، یہ جلد نظریاتی اور اصولی تنقید سے متعلق ہے اور اس میں شاعری کے مختلف پہلوؤں پر بصیرت افروز تنقیدی بحث اور اصناف سخن کا تنقیدی تجزیہ ہے ۔مولانا ماہر القادری لکھتے ہیں:

> ''شبلی کے نقد ونظر کا کمال اور شاعرانہ ذوق کی بہار دیکھنی ہو تو 'شعرالعجم ' کا مطالعہ کیجیے اور گلگشت مصلا اور آب رکنابا دبن کرہ جایئے ۔اس کتاب نے اردو کی آبرو بڑھائی ہے اور اسے ترقی وبلندی عطا کی ہے ۔یہ واقعہ ہے کہ لاکھوں اردو جاننے والوں کو 'شعرالعجم ' نے فارسی زبان سے وابستہ رکھا ہے اور ان کے ذوق شاعری کو سنوارا ہے ۔ادبیاتِ ایران پر ہم نے پروفیسر براؤن اور ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی معرکہ آرا کتابیں بھی پڑھی ہیں مگر 'شعرالعجم ' کی بات ہی اور ہے ۔
>
> بسیار خوباں دیدۂ ام، لیکن تو چیزے دیگری(۱)

اردو ادب میں جدید تنقید کی بنیاد حالی کے ''مقدمہ شعروشاعری'' سے پڑی جس میں تنقید کے اصول متعین کیے گئے ۔شعر کی ماہیت ،شاعری کے اجزائے ترکیبی ،لفظ ومعنی میں تعلق کی نوعیت ،محاکات اور تخیل

کا مفہوم، محاسن شعر، کذب ومبالغہ کی حقیقت، نیچرل شاعری کی تعریف، شاعری کی اصلی غایت اور جملہ اصناف سخن کی خرابیاں اوران کی اصلاح جیسے امور پر مفصل بحث کی گئی ہے۔علامہ شبلی کا تنقیدی کام اسی سلسلہ کی اگلی کڑی ہے۔انھوں نے جدید تنقید کے کام کو مزید آگے بڑھایا اوراس کی فکری بنیادوں کو مستحکم کیا۔شعرالعجم ' فارسی شاعری کی تاریخ بھی ہے اوراس کی تنقید بھی ،اسے قدما متوسطین اور متاخرین تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلا دور حنظلہ سے شروع ہو کر نظامی تک گیا ہے۔دوسرا کمال اسماعیل سے جامی تک اور تیسرا افغانی سے ابو طالب تک۔اس کے بعد شعرا کا اس میں تذکرہ نہیں ہے کیونکہ بقول شبلی ''اس کے بعد فارسی شاعری غیر حقیقی ہو کر چیستاں گوئی بن گئی تھی۔''(۲)

'شعرالعجم' کے ابتدائی تین حصّوں میں شعرائے فارسی کے کلام پر نقد وتبصرہ ہے۔چوتھے اور پانچویں حصے میں معیاری شاعری، فارسی شاعری آغاز، اس کی تدریجی رفتار وترقی، عربی وفارسی شاعری کا ایک دوسرے پر اثر معاشرت، تمدن، سیاست اور ملکی آب وہوا کے اثرات شاعری پر اور مختلف اصناف سخن کے حسن وقبح پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔چوتھا حصہ جو بقول مصنف اس کتاب کی روح اور جان ہے۔اس معرکہ آرا تصنیف کے متعلق خود شبلی فرماتے ہیں:

> ''ایران کی خاک فنونِ لطیفہ کی قابلیت میں بھی سب سے ممتاز تھی اور بالخصوص شاعری اس کا خمیر تھا۔اسلام نے اس خاص جوہر کو زیادہ چمکا دیا اوراس حد تک پہنچا دیا کہ تمام دنیا کی شاعری ایک طرف اور صرف ایران کی شاعری ایک طرف لیکن افسوس یہ ہے کہ آج تک کسی اسلامی زبان میں ایران کی شاعری کی کوئی ایسی تاریخ نہیں لکھی گئی جس سے ظاہر ہوتا کہ شاعری کب شروع ہوئی، کیا کیا صورتیں بدلیں، ملکی اور قومی حالتوں نے اس پر کیا کیا اثر کیے، خود اس نے ملک وقوم پر کیا اثر ڈالا؟ شعرا کے تذکرے بہت ہیں لیکن وہ درحقیقت بیاض اشعار ہیں، جن میں شعرا کے عمدہ اشعار انتخاب کر کے لکھ دیے ہیں۔شعرا کے حالات وواقعات کم ہیں اور شاعری کے عہد بہ عہد کے انقلابات اوران کے اسباب کا تو مطلق ذکر نہیں۔میں اس کمی کو مدت سے محسوس کر رہا تھا اور اکثر اسی ٹریپن میں رہتا تھا۔''(۳)

ہندوستان میں 'شعرالعجم' کے علاوہ دو اور متداول کتابیں ادبیات فارسی کی تاریخ اور تنقید پر ہیں۔مولوی محمد حسین آزاد کی 'سخندانِ فارس' اور پروفیسر براؤن کی 'لٹریری ہسٹری آف پرشیا'' لیکن شبلی کی نظر میں ان دونوں کتابوں کا درجہ بہت کم تھا۔آزاد کی کتاب کے متعلق اپنے ایک دوست کو لکھتے ہیں:

> ''آزاد کا سخندانِ پارس حصہ دوم نکلا سبحان اللہ، لیکن الحمدللہ میرے 'شعرالعجم' کو ہاتھ نہیں لگایا ہے''۔(۴)

پروفیسر براؤن کے متعلق لکھتے ہیں:

''بلا مبالغہ اور بلا تصنع کہتا ہوں کہ براؤن کی کتاب دیکھ کر سخت افسوس ہوا۔نہایت عامیانہ اور سوقیانہ ہے۔برادر اسحاق سے پڑھ کر سنی اور خود بھی اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔فردوسی کے متعلق صرف دو تین صفحے لکھے ہیں جس میں اُن کے اقتباسات بھی شامل ہیں۔مذاق اتنا صحیح ہے کہ آپ فردوسی کا درجہ سبعہ معلقہ کے برابر بھی نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ کسی حیثیت سے یہ کتاب اور شعرائے فارسی کے کلام کے برابر نہیں۔''(۵)

پروفیسر براؤن 'شعرالعجم' کی عظمت کے خود معترف تھے اور اپنی کتاب کی تیسری جلد میں اس سے اقتباسات لے کر بھرپور استفادہ کیا ہے۔ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے لکھا:

''میں شعرالعجم کو ان تصانیف میں سے سمجھتا ہوں، جو بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہیں اور جو ہندوستان سے باہر بھی معروف ہیں۔اردو میں یہ بات بہت کم کتابوں کو نصیب ہوئی ہے۔اہل ایران نے اس کا ترجمہ فارسی میں شایع کیا ہے۔مجھے ہمیشہ اس بات پر فخر رہے گا کہ کیمبرج میں اپنی طالب علمی کے زمانے میں پروفیسر براؤن کو میں نے اس کتاب سے روشناس کیا اور ہندوستان سے ایک نسخہ منگوا کر ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اردو کو چونکہ وہ روانی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے تھے اس لیے اس کا بیشتر حصہ انھوں نے میری مدد سے مطالعہ کیا۔اس کے مطالب اور مباحث کو انھوں نے اس درجہ مفید پایا کہ اپنی تاریخ ادبیات ایران کی تیسری جلد میں جابجا ان کو بے کم و کاست دہرایا اور اس کا نہایت فخر کے ساتھ اعتراف کیا۔''(۶)

شاعری کیا ہے؟

ناقدین اور ارباب علم و معنی نے اس کو مختلف پیرایوں میں سمجھایا ہے۔علامہ شبلی کسی قدر شاعرانہ انداز میں شعر کی حقیقت کو سمجھاتے ہیں:

''حیوانات پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو مختلف قسم کی آوازوں یا حرکتوں کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے مثلاً کویل کوکتی ہے، طاؤس ناچتا ہے، سانپ لہراتے ہیں۔انسان کے جذبات بھی حرکات کے ذریعے سے ادا ہوتے ہیں لیکن اس کو جانوروں سے بڑھ کر ایک اور قوت دی گئی ہے یعنی نطق اور گویائی، اس لیے جب اس پر کوئی قوی جزبہ طاری ہوتا ہے تو بے ساختہ اس کی زبان سے موزوں الفاظ نکلتے ہیں اسی کا نام شعر ہے۔''(۷)

شبلی اپنے تنقیدی نظریات کے پیش کرنے میں جومباحث سامنے لاتے ہیں ان میں مشرقی معیارنقد کا رنگ زیادہ گہرانظر آتا ہے۔وہ حالی کی طرح صرف مغرب سے مستعار لیے ہوئے تصورات کا اپنے نقطۂ نظر کی تشکیل میں استعمال نہیں کرتے۔شبلی کی ارسطو کے خیالات تک رسائی عربی زبان وادب کے توسط سے ہوئی تھی، چانچہ وہ رقمطراز ہیں:

''ارسطو نے اس (شاعری) پرایک مستقل کتاب لکھی ہے،جس کا ترجمہ عربی میں ابن رشد نے کیا اوراس کا بڑا حصہ چھپ کرشائع ہوا ہے۔ابن رشیق قیروانی اورابن خلدون نے بھی اس پر بحث کی ہے۔''(۸)

محاکات ،مصوری اورواقعہ نگاری پرشبلی کی ساری بحث ارسطو سے کسب فیض کا نتیجہ ہے۔شبلی جب شاعری کی حقیقت سے بحث کرتے ہیں تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے نفسیات انسانی کے عناصر کو خاص طور سے ملحوظ خاطر رکھا ہے۔چنانچہ وہ قوت ادراک اورقوت احساس کو دنیا کے تمام علوم وفنون اور تحقیقات وانکشاف کی بنیاد قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

''خدا نے انسان کومختلف اعضا اورمختلف قوتیں دی ہیں،ان میں سے ہرایک کے فرائض اورتعلقات الگ ہیں۔ان میں سے دوقوتیں تمام افعال اورواردات کا سرچشمہ ہیں،ادراک اوراحساس ۔ادراک کا کام اشیا کومعلوم کرنا اوراستدلال اوراستنباط سے کام لینا ہے۔ہرقسم کی ایجادات،تحقیقات،انکشافات اورتمام علوم وفنون اسی کے نتائج کا عمل ہے۔''(۹)

شبلی شاعری کوذوقی اوروجدانی چیز بتاتے ہیں۔لکھتے ہیں:

''یہی قوت جس کواحساس ،انفعال یا فیلنگ سے تعبیر کرسکتے ہیں،شاعری کا دوسرا نام ہے یعنی یہی احساس جب الفاظ کا جامہ پہن لیتا ہے تو شعر بن جاتا ہے۔''(۱۰)

شبلی کے نظریہ شعر کے مأخذ کے سلسلے میں انھوں نے خود جن مشاہیر کے نام گنائے ہیں،ان میں ارسطو،ابن رشیق ،ابن خلدون اوربعض مغربی مصنفین یعنی رمل اورہنری لوئس قابل ذکر ہیں۔ان مختلف الخیال شخصیتوں سے استفادہ کرتے ہوئے شبلی نے اپنے نظریہ شعر کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ شاعری ایک طرح کی مصوری کا نام ہے۔جذبات انسانی اور مناظر قدرت کی مصوری ہی شاعر کا وظیفہ ہے۔جذبات انسانی کے اظہار کی نوعیت کیا ہے؟ شبلی اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں کہ جذبات کا اظہار حیوانات کے فطری اظہار کے مماثل ہوتا ہے۔جیسے ''شیر کا دھاڑنا''،''ہاتھی کا چنگھاڑنا''،''کوئل کا کوکنا''، ''طاؤس کا رقص کرنا''اور''سانپ کا لہرانا''۔(۱۱)

شبلی کی اس رائے سے کلیم الدین احمد اتفاق نہیں کرتے وہ اس لیے کہ حیوانات اپنے فطری اظہار کے لیے مجبور ہوتے ہیں اور شاعر جذبات کے اظہار کے لیے مجبور نہیں ہوتا۔ دوسرے فطری اظہار میں حیوانات کی ہر نوع کا ہر فرد شریک ہوتا ہے۔ مثلاً رقص اگر مور کا فطری اظہار ہے تو ایک یا چند موروں کا نہیں بلکہ ہر مور اس میں شریک ہے۔ لیکن شاعری انسان کے بعض افراد کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا علامہ شبلی کا تصور کہ انسانی شاعری حیوانات کے فطری اظہار کے مماثل ہے، غلط ہے۔ (۱۲) اس سلسلے میں ایک دوسرے ناقد ظفر احمد صدیقی کی رائے ملاحظہ ہو:

> ''کلیم الدین احمد، شبلی کی مراد سمجھ نہیں سکے۔ شبلی نے متذکرہ بالا تشبیہ و تمثیل کے ذریعے غالباً یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ شعر گوئی کا محرک انسان کا کوئی اندرونی جذبہ ہوتا ہے۔ یہ جذبہ زور دکھاتا ہے تو انسان شعر گوئی پر آمادہ ہو جاتا ہے، جس طرح حیوانات اپنے فطری اظہار پر کسی اندرونی جذبے ہی کی بنا پر آمادہ ہوتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یوں کہیے کہ جس طرح مور کو رقص پر کسی بیرونی دباؤ کے ذریعے آمادہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح حقیقی شاعر کسی خارجی ترغیب و ترتیب کی بنا پر شعر نہیں کہتا اور جو شعرا ایسا کرتے ہیں ان کی شاعری مصنوعی، پر تکلف اور اثر سے خالی ہوتی ہے۔'' (۱۳)

شبلی کے خیال میں سارا عالم شعر کے مانند ہے اور اس کے ذرے ذرے میں شعریت پائی جاتی ہے۔ ایک یورپین مصنف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ہر چیز جو دل پر استعجاب یا حیرت یا جوش یا اور کسی قسم کا اثر پیدا کرتی ہے، شعر ہے، اس بنا پر فلک نیلگوں، نجم درخشاں، نسیم سحر، گلگونۂ شفق، تبسم گل، خرام صبا، نالۂ بلبل، ویرانی دشت، شادابی چمن، غرض تمام عالم شعر ہے۔'' (۱۴)

شبلی کے نزدیک شاعری کے لیے محاکات اور تخیل کا ہونا ضروری ہے۔ انھوں نے تصویر کشی کے لیے 'محاکات' کی اصطلاح کا استعمال کیا اور یہ ارسطو سے ماخوذ ہے، البتہ شبلی نے اس پر تخیل کو بھی لازم قرار دیا۔ اس کی وضاحت وہ یوں کرتے ہیں:

> ''شاعری اگر چہ محاکات کا نام ہے لیکن محاکات کی روح تخیل ہے۔ اگر محض کسی چیز کی تصویر کھینچ کر رکھ دی جائے تو شاید اس میں کشش نہ ہوگی، لیکن چونکہ شاعر کسی شے کی محاکات کے وقت اپنی قوت تخیل کے ذریعے اس کے بعض عناصر کو نمایاں اور بعض کو دھندلا دھندلا کر دیتا ہے، اس لیے ہم اس میں ایک طرح سے لطف محسوس کرتے ہیں ...'' (۱۵)

شبلی کے یہاں محاکات دراصل ایک جمالیاتی اظہار ہے اور محاکات کے تحت وہ ان تمام باتوں کو شامل کر لیتے ہیں جن سے شاعری کی تشکیل ہوتی ہے۔ان کے نزدیک محاکات کی تکمیل مختلف چیزوں سے ہوتی ہے۔ان میں سب سے مقدم شعر کا وزن اور آہنگ ہے۔(۱۶)

شاعری کے لیے دوسری چیز تخیل ہے۔مشرق ومغرب کے سبھی علما تخیل کی اہمیت کے قائل ہیں۔شبلی نے محاکات اور تخیل پر جو بحث کی ہے اس میں انھوں نے عربی اور فارسی کی تنقیدی روایت کی طرف کلی طور پر رجوع نہیں کیا بلکہ ان کے خیالات ارسطو سے ماخوذ ہیں،اس سلسلے میں وہ کولرج کے تخیل کی بحث سے بھی متاثر ہیں۔(۱۷)وہ تخیل کی تعریف کرتے ہوئے سب سے پہلے ہینری لوئس کا حوالہ دیتے ہیں اور اس کی تعریف کے محاس ومعائب پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔شبلی کے خیال میں ''تخیل دراصل قوت اختراع کا نام ہے۔''(۱۸) تخیل وہ شے ہے جو بات سے بات نکال لیتی ہے اور وہ چیزیں جو آنکھ سے اوجھل ہیں انھیں سامنے لاکر کھڑا کرتی ہے۔اسی کے ذریعے ماضی اور مستقبل ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔تخیل کا یہ وہی نظریہ ہے جسے بڑے بڑے مشرقی ومغربی نقادوں نے پیش کیا ہے۔اس بات پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ تخیل انسان کی حیرت انگیز صلاحیت ہے، جو زندگی اور اس کے حقائق کے سمجھنے میں معاون ہوتی ہے۔اس لیے شاعری میں یہ قوت حقائق آشکارا کرتی ہے اور اس کو جمالیاتی انداز میں پیش کرتی ہے تا کہ انسان کے دل پر اس کا اثر ہو،اسی کو شبلی نے جذبات انسانی کی تحریک سے تعبیر کیا ہے، یہ تحریک فلسفہ اور سائنس کے ذریعہ نہیں ہوتی،اس میں کسی علمی مسئلہ کو صرف حل کر دیا جاتا ہے،اس بارے میں شبلی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''فلسفہ اور سائنس میں قوت تخیل کا استعمال اس غرض سے ہوتا ہے کہ ایک علمی مسئلہ حل کر دیا جائے لیکن شاعری میں تخیل سے یہ کام لیا جاتا ہے کہ جذبات انسان کو تحریک ہو،فلسفی کو صرف ان موجودات سے غرض ہے کہ جو واقع میں موجود ہیں،بخلاف اس کے ان موجودات سے بھی کام لیتا ہے جو مطلق موجود نہیں۔فلسفہ کے دربار میں ہما،سیمرغ،گاؤزمین، تخت سلیمان کی مطلق قدر نہیں لیکن یہی چیزیں ایوان شاعری کے نقش ونگار ہیں...''(۱۹)

غرض شبلی نے فلسفہ اور سائنس دونوں کو سامنے رکھ کر تخیل پر بڑی بصیرت افروز بحث کی ہے۔اس سے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے کہ تخیل شاعری کا نہایت اہم عنصر ہے۔اس کے بغیر شاعری کا وجود موہوم ہے۔

'لفظ ومعنی' میں کس کو ترجیح اور اولیت حاصل ہے یہ شعر وادب کا بڑا دلچسپ اور معرکۃ الآرا مسئلہ ہے، اس سلسلے میں شبلی نے لفظ ومعنی کے رشتے پر بحث کی ہے وہ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔حالی نے بھی ''مقدمہ شعر وشاعری'' میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔شبلی بھی اس روایت کی تقلید کرتے ہیں اور عرب علما کے

نزدیک لفظ و معنی کے درمیان طویل مباحثے کو وہ ابن رشیق قیروانی کی کتاب ''العمدہ'' کے ایک اقتباس سے نقل کرتے ہیں، پھر سیر حاصل گفتگو کرتے ہیں۔

شبلی، جاحظ کے خیال کی تائید خود بھی کرتے ہیں اور اسے پیش تر اصل فن کا مذہب بھی بتاتے ہیں۔ بقول ان کے: ''زیادہ تر اہل فن کا یہی مذہب ہے کہ 'لفظ' کو 'مضمون' پر ترجیح دیتے ہیں''۔ وہ کہتے ہیں کہ مضمون تو سب پیدا کر سکتے ہیں لیکن شاعری کا معیار کمال یہی ہے کہ مضمون ادا کن الفاظ میں کیا گیا ہے اور بندش کیسی ہے۔ شبلی 'لفظ' کا معیار کمال بتانے والے اور 'معنی' کو اہمیت دینے والے عرب نقادوں کی آرا سے گفتگو کرنے کے بعد اپنی رائے بہت وثوق کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ شاعری یا انشا پردازی کا مدار زیادہ تر الفاظ ہی پر ہے، گلستان میں جو مضامین اور خیالات ہیں، ایسے اچھوتے اور نادر نہیں، لیکن الفاظ کی فصاحت اور ترتیب اور تناسب نے ان میں سحر پیدا کر دیا ہے۔ انھیں مضامین اور خیالات کو معمولی الفاظ میں ادا کیا جائے تو سارا اثر جاتا رہے گا۔''(۲۰)

شبلی اپنی رائے کو یقینی بنانے کے لیے شیخ سعدی کی کتاب ''گلستان'' کا حوالہ دیتے ہیں اور شاعری میں الفاظ کی متانت، شان و شوکت اور بندش کی پختگی کی وجہ سے ''اسکندر نامہ'' کے ایک ایک شعر کو ظہوری کے 'ساقی نامہ' کی نازک خیالی اور مضمون بندی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس طرح شبلی عربی کے ہیئت پسند علما کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد آگے چل کر معنی کو اہمیت دینے والے عرب نقادوں سے اتنا اتفاق ضرور کرتے ہیں کہ شاعروں کو لفاظی سے صرف نظر کرنا چاہیے۔ وہ شعر میں تاثیر کا سبب معانی کے لیے مناسب ترین الفاظ بتاتے ہیں۔(۲۱) دراصل شبلی الفاظ و معنی کے سلسلے میں معتدل رویہ رکھتے ہیں، انھوں نے لفظ و معنی کے سلسلے میں مختلف قسم کی باتیں کہی ہیں جیسے ۱) شاعری یا انشا پردازی کا مدار زیادہ تر الفاظ پر ہے۔ ۲) اس تقریر کا مطلب یہ نہیں کہ شاعر کو صرف الفاظ سے غرض رکھنی چاہیے اور معنی سے بالکل بے پروا ہونا چاہیے۔ ۳) شاعری کا اصل مدار الفاظ کی معنوی حالت پر ہے۔ شبلی کی ان تینوں آرا میں تضاد کی کیفیت نمایاں ہے لیکن پروفیسر ابو الکلام قاسمی ان میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''شبلی چونکہ ایک خلاقانہ ذہن رکھتے ہیں، اس لیے کوئی ایک فیصلہ صادر کر کے اس پر مطمئن نہیں ہو جاتے۔ وہ شاعری کے صوری اور معنوی مسائل کا پورا شعور رکھتے ہیں، اس لیے کبھی ان کو ایک پہلو زیادہ اہم دکھائی دیتا ہے اور کبھی دوسرا پہلو۔''(۲۲)

لفظ و معنی کی اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ شبلی لفظ و معنی دونوں کی اہمیت کے قائل ہیں۔ مگر ان کے نزدیک معنی کے مقابلے میں لفظ کا پلہ بھاری ہے۔ اسی خیال کی بنیاد پر وہ شاعری کے صوری پہلو کو زیادہ اہمیت

دیتے ہیں۔اس لیےانھوں نے جدت ادا،تشبیہ واستعارہ اور سادگی پر مفصل بحث کی ہے،جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ شاعری کے فن اور جمالیاتی پہلوؤں پر زیادہ توجہ دی جائے۔اس قسم کے مباحث سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شبلی مزاجاً مشرقی تھے،اس لیےانھوں نے مشرقی تنقید کی اصلاحات پر زیادہ زور دیا ہے۔

مختصراً یہ ہے کہ جن اصولوں کو شبلی نے شاعری کے لیے ضروری سمجھا ہے،عملی تنقید کی حیثیت سے ایران کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے شعرالعجم میں انھیں پیش کر دیا ہے۔چونکہ شبلی فطرت انسانی کے مختلف پہلوؤں اور شاعری کو ایک دوسرے سے متعلق سمجھتے ہیں اسی لیےانھوں نے فارسی شاعری کے محاسن سے بحث کے لیے عربی شاعری کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری سمجھا۔اس میں شروع سے آخر تک ایک منطقی ربط پایا جاتا ہے۔ شبلی اپنے خیالات کی وضاحت کے لیے عربی وفارسی شاعری سے مثالیں بھی دیتے ہیں جس سے شعروشاعری کی بعض پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھتی ہیں اور قاری کو روشنی کا احساس بھی ہوتا ہے۔مولانا ماہرالقادری کے بقول:

> ''یہ نہیں کہ شعرالعجم میں صرف زبان وادب کا لطف اور شعروشاعری کا چٹخارہ ملتا ہے،اس کتاب کی علمی حیثیت بھی بہت بلند ہے۔عوفی یزدی کے ''لب اللباب'' سے لے کر ہدایت علی خاں کی ''مجمع الفصحاء'' تک فارسی شعرا کے تمام قابل ذکر تذکرے مصنف کے سامنے رہے ہیں اور یہ بھی جانتا ہے کہ جرمنی کے پروفیسر دارمسٹیٹر،روس کے ناقد والن ٹن ژوکوسکی اور دوسرے یورپین تذکرہ نگاروں نولدیکی،سرگوراوسلی اور براؤن نے فارسی شعروادب پر کیا لکھا ہے۔ارسطو کی کتاب کے تنقیدی مضامین اور حمیدالدین فراہی کی جمہرۃ البلاغۃ،ان سب سے صاحب شعرالعجم نے استفادہ کیا ہے۔عربی شعروادب میں مصنف کے تبحر نے ''شعرالعجم'' کی علمی سطح کو بلند کر دیا.....''(۲۳)

شبلی نے 'شعرالعجم' میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عشقیہ شاعری کے ایرانی نسل،ایران کی آب وہوا اور وہاں کے خصوصی ماحول کی دین ہے۔عربی شاعری کا ایک بڑا میدان مفاخرت یعنی جاں بازی،مخاطرۂ نفس، اندھادھند دلیری کے خیالات،عربی نسل،عرب کے جغرافیائی حالات اور وہاں کے خاص ماحول کے زیر اثر پیدا ہوا۔شبلی کی نظر میں شیکسپیئر،ملٹن اور براؤننگ کی طرح خیام،حافظ،مولانا روم،عطار،سعدی اور خسرو بھی مخصوص صورت حال کی پیداوار ہیں۔جس انداز سے تین نے رائسن کے ڈرامے اور شاعری کو فرانسیسی آب وہوا اور اٹھارویں صدی کے تاریخی احوال کا عطیہ بتایا ہے،ٹھیک اسی انداز سے شبلی بھی فردوسی کے شاہنامے کو ایرانی نسل،ایرانی آب وہوا اور ایران کے مخصوص تاریخی احوال کا عطیہ بتاتے ہیں۔شبلی کا یہ تاریخی تجزیہ صرف عشقیہ شاعری،مفاخرت اور مذکورہ بالا شعرا اور فردوسی کے 'شاہنامہ' تک ہی محدود نہیں بلکہ اس طرح کے بے شمار نتائج 'شعرالعجم' اور ان کے مقالات میں موجود ہیں،جو تین کے تاریخی نقطۂ نظر کے اثر کا نتیجہ معلوم

ہوتے ہیں یا اس کے مماثل نظر آتے ہیں:

''ایک نقطہ سنج کا یہ فرض ہے کہ ہر دور کی خصوصیتوں کا پتہ لگائے ، نہ صرف ان کا جو سطح پر نظر آتے ہیں بلکہ ان کا بھی جو تہہ میں ہیں اور جن پر عام نگاہیں نہیں پڑ سکتیں۔ اس کے ساتھ ان خصوصیتوں کے وجوہ اور اسباب بتائے یعنی کیوں کر پیدا ہوئیں اور کس طرح ایک رنگ دوسرے رنگ سے بدلتا گیا۔''(۲۴)

'شعرالعجم' میں شبلی کا تاریخی اور سماجی شعور عروج پر نظر آتا ہے اور نتائج میں شعور فرانسیسی نقاد تین کے تاریخی نظریہ تنقید سے جا ملتا ہے۔ 'شعرالعجم' کی تصنیف سے پہلے شبلی فرنچ زبان سیکھ رہے تھے۔ آرنلڈ سے ملنے پر انھیں اس کا اندازہ ہو چکا تھا کہ فرانسیسی زبان میں اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ شبلی نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ فرنچ کی کئی کتابیں ان کی نظر سے گزر چکی ہیں، انھوں نے کچھ مصنفوں کے نام بھی گنوائے ہیں مگر ان میں تین کا ذکر نہیں ہے۔(۲۵) اگر تین کی کتاب شبلی کے پیش نظر رہی بھی ہو تب بھی یہ شبلی کا ایک بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے تین کے معیاروں پر پوری عجمی شاعری کا مدلل تنقیدی جائزہ پیش کیا اور اگر یہ معیار شبلی نے خود بنائے ہوں تو شبلی کا یہ کارنامہ اور بھی بڑا اور وقیع ہو جاتا ہے۔

شعرالعجم اور مغربی اثرات

شعرالعجم ادبی تنقید اور تنقیدی تاریخ کا وقیع نمونہ ہے۔ اس کتاب کے مشرقی عناصر کے ساتھ ساتھ مغربی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شعرالعجم کے مطالعے سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ اس کا موضوع فارسی شاعری کا دفاع اور اس کا مخاطب انگریزی دانوں کا طبقہ ہے۔ اسی وجہ سے شبلی نے اس امر پر خاص توجہ دی ہے کہ فارسی شاعر کی حمایت میں انیسویں صدی کے ان رائج الوقت فلسفیانہ افکار و تنقیدی تصورات سے استدلال کیا جائے جن کا یہ انگریزی داں طبقہ کلمہ پڑھتا ہے۔ اگر شبلی مشرقی شاعری کا دفاع مشرقی نظریات کے حوالے سے کرتے تو وہ طبقہ کہہ سکتا تھا کہ جب ہم تمھاری شاعری کو نہیں مانتے تو تمھاری شعریات کو کیوں مانیں لگے، یہی وجہ ہے کہ شبلی نے جی کھول کر رائج الوقت انگریزی تصورات سے استفادہ کیا ہے۔ خورشید احمد رقم طراز ہیں:

''نقاد جب شبلی کے تنقیدی مسلک کی بات کرتے ہیں تو یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ شبلی کے تصور تخیل میں کولرج کے تصورات کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ یہ حضرات دیگر انگریز مصنفوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے حالانکہ شبلی نے اپنے تنقیدی نظریے کی تشکیل میں دوسرے انگریزی مصنفوں سے بھی کافی مدد لی ہے۔ اس سلسلے میں کولرج کے علاوہ انھوں نے دو انگریزی نقادوں سے ان کے خیالات و الفاظ مستعار لیے ہیں۔ ان میں

سے ایک جان اسٹورٹ مل ہے، جس کا انھوں نے نام لیا ہے اور دوسرا ولیم ہیزلٹ ہے، جس کا انھوں نے نام نہیں لیا۔ صرف "ایک یورپین مصنف" کہہ کر رہ گئے ہیں۔"(۲۶)

انیسویں صدی کے ابتدا میں سائنسی اور تکنیکی ترقی کے پرستاروں نے شاعری پر دو حملے کیے۔ ایک یہ کہ شاعری غیر سودمند ہے، دوسرا "شاعری غلط بیانی ہے"۔ شاعری کا سب سے بڑا دشمن جریمی بنتھم کو تصور کیا جاتا ہے۔ اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے مل نے اپنا مشہور مقالہ "What is Poetry" ۱۸۳۳ء میں لکھا۔(۲۷) علامہ شبلی کے تنقیدی خیالات کی تشکیل میں مل کے مضامین کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس مضمون مین مل نے سائنسی صداقت میں امتیاز قائم کیا ہے:

"Science adresses itself to the belief, poetry to the feeling"

یعنی "شاعری کا تخاطب جذبات سے ہے اور سائنس کا یقین سے"

مل نے شاعری کو قاری سے الگ کیا ہے اسی طرح خطابت اور شاعری میں فرق قائم کیا ہے:

"Poetry and eloquence are both alike the expressing or uttering forth of feeling. Eloquence supposes an audience the peculiarity of poetry appears to us to lie in the poet's utter unconsciousness of a listener. Poetry is feeling, confessing itself to itself in moments of solitude....."

شبلی اس کو یوں سمجھاتے ہیں: "خطابت میں شاعری کی طرح جذبات اور احساس کا برانگیختہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ خطابت کا مقصود حاضرین سے خطاب کرنا ہوتا ہے، بخلاف اس کے' شاعر کو دوسروں سے غرض نہیں ہوتی، وہ یہ نہیں جانتا کہ کوئی اس کے سامنے ہے بھی یا نہیں؟۔۔۔ شاعری تنہا نشینی اور مطالعہ نفس کا نتیجہ ہے۔۔۔ شاعر اگر اپنے نفس کے بجائے دوسرے سے خطاب کرتا ہے، دوسروں کے جذبات کو ابھارنا چاہتا ہے۔۔۔ تو شاعر نہیں خطیب ہے۔"(۲۸)

ہیزلٹ شاعری کی تعریف دوسرے رومانی نقادوں سے مختلف انداز میں کرتے ہیں:

"General sense of beauty or power or harmony as in the motion of wave of the sea, in the growth of a flower.....There is poetry in its birth.....Fear is poetry, hope is poetry, love is poetry, hatred is poetry, the child is a poet in fact, when he first plays at hide and seek.....the miser, when he hugs his gold".(۲۹)

ہیزلٹ پر جب اعتراض ہوا کہ وہ شعر کی اتنی ڈھیلی تعریف کیوں کرتے ہیں، تو اس نے کہا وہ "شاعری" کی اصطلاح تین مختلف معنوں میں استعمال کرتا ہے یعنی ایک تو جذبے کا لسانی اظہار، دوسرے

خودجذبہ اور تیسرے جذبے کو تحریک دینے والی مخصوص اشیا۔شبلی بھی جگہ جگہ شاعری کی تعریف اتنے ہی وسیع مفہوم میں کرتے ہیں، جتنے وسیع مفہوم میں ہیزلٹ کرتا ہے:

''ہر چیز جو دل پر تعجب انگیزی کا اثر کرتی ہے، حقیقی شعر ہے، فضائے غیر محدود، بحر بے کراں، سیارہ ہائے غیر متناہی، باد صرصر، مواج دریا سب مجسم شعر ہیں۔''(۳۰)

رائج الوقت مغربی فکری میلانات مثلاً نطشے کی 'Slave morality' پنتھم کی Utlitarianism اور کارلائل کی 'Hero Worship' سے شبلی نہ صرف واقف تھے بلکہ اس بات سے بھی باخبر تھے کہ معترضین کے بہت سے اعتراضات کی بنیاد ان ہی تصورات پر قائم ہے۔ چنانچہ شعرالعجم میں وہ جابجا ان فکری سوالات سے دست وگریباں نظر آتے ہیں۔مثلاً فارسی شاعری کے اخلاقی مواد سے جہاں بھی بحث کرتے ہیں، غلامی کی اخلاقیات (Slave Morality) کا تصور ان کے ذہن میں ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ واضح طور پر لکھتے ہیں:

''شعرائے ایران کے فلسفۂ اخلاق پر عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس سے بجائے ترقی کرنے کے پستی اور بے قاعدگی کی طرف میلان ہوتا ہے۔ جو مسائل بار بار مختلف پیرایوں میں ادا کیے جاتے ہیں، یعنی ترک دنیا، قناعت، توکل، تواضع، خاکساری، عفو، حلم، جود وسخا، ان میں کچھ باتیں پست ہمتی پیدا کرنے والی ہیں، کچھ اعتدال سے متجاوز ہیں، کچھ اصول تمدن کے خلاف ہیں اور شاید اسی تعلیم کا اثر ہے کہ ان ملکوں میں قوم کی آزادی اور حریت کا کبھی خیال نہیں پیدا ہوا۔''(۳۱)

بعد ازاں اخلاقی شاعری کے پورے باب میں ایسی مثالیں فراہم کرتے ہیں، جن سے غلامانہ اخلاقیات کی نفی اور آزادی وحریت کی توثیق ہوتی ہے۔اسی طرح شاعری کی تاثیر سے جہاں بحث کی ہے، وہ مِل کی طرح بنتھم کی 'افادیت پرستی' کے تصور کو ذہن میں رکھ کر کی گئی ہے۔پھر اسی طرح انھوں نے فردوسی کے 'شاہنامے' سے مثال دے کر ثابت کیا ہے کہ فارسی شاعری میں نامور پرستی کے جذبے کا فقدان نہیں ہے۔(۳۲)

شبلی سے پہلے اور ان کے بعد بھی ادبی تاریخ لکھنے کا عام طریقہ یہ رہا ہے کہ شعرا کے ناموں اور کارناموں کو حروف تہجی کے بجائے تاریخی ترتیب سے یکجا کیا جاتا ہے۔شبلی نے شعرالعجم میں ایسا نہیں کیا بلکہ ادبی تاریخ نگاری کے لیے اصول ارتقا Evolution theory کو بنیاد بنایا، جو انیسویں صدی کے نصف آخر کا انقلاب آفریں تصور ہے۔اپنی کتاب میں شبلی نے 'اصول ارتقاء' کا ذکر دو بار کیا ہے، ایک جگہ لکھتے

ہیں: ''جس قدر زمانہ گزرتا جاتا، اصول ارتقاء کے موافق شاعری کا قدم آگے بڑھتا تھا۔''(۳۳)
دوسری جگہ لکھا ہے: ''خواجہ حافظ کے بعد اصول ارتقا کے خلاف، غزلیہ شاعری کی ترقی ڈیڑھ سو برس تک رک گئی... لیکن ارتقا میں اتفاقی سکون ہو جاتا ہے، سلسلہ منقطع نہیں ہو جاتا۔''(۳۴)

شبلی نظریۂ ارتقا کو صرف سمجھتے ہی نہیں، برتتے بھی ہیں، اس کی مزید توثیق ان کے اس جملے سے ہو جاتی ہے: ''شاعری کی تاریخ کا ایک ضروری باب ہے کہ شاعری کی ترقی کے تدریجی مدارج دکھائے جائیں۔''(۳۵)

نظریہ ارتقا کے حوالے سے 'شعرالعجم' میں شبلی نے ڈارون کے بجائے ہربرٹ اسپنسر سے استفادہ کیا ہے۔ ۱۹۰۹ء میں ابن مسکویہ کی کتاب ''تجارب الامم'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یورپ میں آج کل فن تاریخ کو اس قدر ترقی ہوئی کہ کبھی نہ ہوئی ہوگی ..... تاریخ کا مقصد واقعات کا پتہ لگانا ہے، جن کے خاص نتائج پیدا ہوتے ہیں اور جن سے علت و معلول کا اس طرح سلسلہ قائم ہوتا ہے کہ جب اسی قسم کے واقعات پیش آئیں تو فوراً پیش گوئی کی جا سکے کہ اسی قسم کے نتائج پیش آئیں گے ..... چنانچہ ہربرٹ اسپنسر نے تفصیل کے ساتھ اس نکتے کو لکھا ہے۔''(۳۶)

ڈارون کی 'Origin of Species' سے دو سال قبل 1857ء میں اسپنسر نے 'Progress, its Law & Cause' کے عنوان سے ایک مقالہ شائع کیا اور اس میں فنون کی تاریخ سے بحث کی۔ ڈارون کے مقابلے میں اسپنسر کے نظریے کو زیادہ تر مورخوں نے قبول کیا، کیونکہ اس کا سمجھنا بھی آسان تھا اور اس کے استعمال میں بھی سہولت تھی۔ اسپنسر کا مفروضہ یہ ہے کہ:

> *"Evolution always moves from the homogeneous and simple to the heterogenous and complex".*

یعنی ارتقا کا سفر ہمیشہ متجانس اور سادہ سے غیر متجانس اور پیچیدہ کی طرف ہوتا ہے۔ سادگی سے پیچیدگی کی طرف ارتقا کو شبلی نے شعرالعجم میں یوں بیان کیا:

> ''عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم ترقی کرتی ہے تو ابتدا میں تمام چیزیں خوراک، پوشاک، مکان، اسباب، وضع قطع بے تکلف اور سادہ ہوتی ہیں۔ رفتہ رفتہ نفاست، لطافت اور تکلف پیدا ہوتا ہے اور روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حد سے بڑھ جاتا ہے اور اس وقت ترقی رک کر قوم برباد ہو جاتی ہے۔۔۔ شاعری کی بھی یہی حالت ہے۔ ابتدا میں سیدھے سادے، صاف صاف اور بے تکلف خیالات ہوتے ہیں۔۔۔ الفاظ میں تراش

خراش نہیں ہوتی ۔اس سے قدم آگے بڑھتا ہےتو خیالات میں بلندی شروع ہوتی ہے۔ الفاظ میں تراش خراش شروع ہوتی ہے ۔اس کے بعد دقت آفرینی اور باریک بینی شروع ہوتی ہے ۔محسوسات سے گزر کر صرف خیالی چیزوں پر مدار رہ جاتا ہے ۔یہ ترقی کی آخری منزل ہے، جو تغزل سے ہمدوش اور ہم آغوش ہے ۔''(۳۷)

اسپنسر کے اصول ارتقا میں *Survival of the fittest* یعنی بقائے اصلح کو کلیدی اہمیت حاصل ہے ۔یہ *Struggle for Existence* یعنی جہد للبقا کے نتیجے کے طور پر سامنے آتا ہے ۔جہد للبقا کا متبادل لفظ مسابقہ ہے ۔شعرالعجم میں مسابقہ، مقابلہ، حریف یا اس مفہوم کو ادا کرے والے دوسرے الفاظ بکثرت استعمال ہوتے ہیں ۔اسی طرح ایسے استعارے بھی بکثرت ملتے ہیں جن کے ذریعے بقائے اصلح یا جہد للبقا کا مفہوم ادا کیا گیا ہے، چند مثالیں مندرج ہیں:

- ''مسلمان کی غزلیں چنداں مقبول نہیں ہوئیں ۔ان سے پہلے سعدی کا رنگ عالم کو مسخر کر چکا تھا ۔اس رنگ میں وہ کہہ نہیں سکتے تھے ۔اس لیے مضمون آفرینی شروع کی ۔''(۳۸)
- ''خواجہ صاحب اپنے اساتذہ یا حریفوں سے طرحی غزلوں میں چنداں بلند رتبہ نہیں ۔۔۔بایں ہمہ ان کی غزلوں نے دنیا میں جو غلغلہ برپا کیا اس کے آگے سعدی، خسرو، خواجہ سلمان کی آوازیں بالکل پست ہوگئیں ۔''(۳۹)

چونکہ شعرالعجم میں ارتقا پسند نقطہ نظر اپنایا گیا ہے اس لیے شعرا کے مدارج متعین کرنے کا انداز بھی بدل گیا ہے ۔شبلی کو اس کا احساس ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''یہ ایک واقعہ ہے کہ سعدی، خواجہ اور سلمان ہی کے خاکے ہیں، جن پر حافظ نے نقش آرائیاں کی ہیں، اس لیے ان کے باہمی امتیاز اور تدریجی ترقی دکھانا شعرالعجم کا فرض ہے ۔''(۴۰)

بالفاظ دیگر شاعر کا درجہ متعین کرتے وقت اس کے ماقبل و مابعد کا حوالہ دینا ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ شاعر ارتقا کی زنجیر میں منسلک نظر آئے ۔کمال اسماعیل کا درجہ شبلی اس طرح متعین کرتے ہیں:

''کمال کی شاعری قدما اور متاخرین کی مشترک سرحد ہے یعنی اس کا ایک سرا قدما اور دوسرا متاخرین سے ملا ہوا ہے ۔قدما کی متانت، پختگی ، استواری اور متاخرین کی مضمون بندی، خیال آفرینی، نزاکت مضمون دونوں یکجا جمع ہو گئے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ متوسطین اور متاخرین دونوں ان کے معترف ہیں'' ۔(۴۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''زورکلام جس کی ابتدا نظامی نے کی تھی، عرفی نے اس کو کمال کے درجے تک پہنچا دیا۔'' (۴۲)

غرض یہ کہ اصولِ ارتقا کی بنیاد پر شبلی نے فارسی شاعری کے حوالے سے الفاظ، خیالات، اسالیب بیان اور اصناف سخن کا جائزہ لیا ہے اور شعرالعجم کو ادبی تاریخ کا نادر نمونہ بنا دیا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ماہنامہ ادیب (شبلی نمبر) ستمبر ۱۹۶۰ء (مقالہ) "شعرالعجم ۔ایک مطالعہ" (مدیر) ابن فرید

(۲) شعرالعجم ۔جلد ۱۔ص ۴

(۳) ایضاً ۔ص ۲

(۴) مکاتیب شبلی ،جلد ۱۔ص ۱۶۴ (مرتبہ) سید سلیمان ندوی

(۵) شعرالعجم ۔جلد ۵،ص ۲ (دیباچہ)

(۶) ماہنامہ ادیب ۔ستمبر ۱۹۶۰ء

(۷) شعرالعجم جلد ۴۔ص ۳۔۲

(۸) موازنۂ انیس ودبیر ۔ص ۲

(۹) شعرالعجم ۔جلد ۴،ص ۱

(۱۰) ایضاً

(۱۱) ایضاً ۔ص ۲

(۱۲) اردو تنقید پر ایک نظر ۔ص ۸۵ از کلیم الدین احمد

(۱۳) تنقیدی معروضات ۔ص ۸۵

(۱۴) شعرالعجم ۔جلد چہارم ،ص ۳

(۱۵) ایضاً ۔ص ۱۰

(۱۶) ایضاً ۔صفحہ ۱۰۔۹

(۱۷) تنقیدی مباحث اور شبلی کا نظام نقد ۔ص ۱۳۳ از ڈاکٹر شاداب عالم

(۱۸) شعرالعجم۔جلد۴۔ص ۸

(۱۹) ایضاً

(۲۰) ایضاً۔۴۰

(۲۱) ایضاً۔ص ۴۷

(۲۲) مشرقی شعریات اوراردو تنقید کی روایت ۔ص ۲۳۷

(۲۳) ماہنامہ ادیب(شبلی نمبر)ص۔۱۲۴،ستمبر۱۹۶۰ء

(۲۴) بحوالہ ماضی آگاہ مستقبل نگاہ شبلی نعمانی۔ص۸۰(مرتب)پروفیسر اختر الواسع

(۲۵) شعرالعجم۔جلد

(۲۶) تفہیم شبلی(مقالہ) از خورشید احمد۔ص۲۱۴(مرتب)ڈاکٹر ارشاد نیازی

(۲۷) ملاحظہ ہو:*Early essays by G.W.Gibbs, London, 1897*

(۲۸) شعرالعجم ۔جلد۴،ص ۵

(۲۹) بحوالہ تفہیم شبلی از ڈاکٹر ارشاد نیازی۔ص۲۱۶

(۳۰) شعرالعجم جلد۵،ص۱۴۰

(۳۱) ایضاً۔ص۴۷۔۱۷۳

(۳۲) شعرالعجم جلد۴۔ص۲۸۸

(۳۳) ایضاً۔ص ۱۰۷

(۳۴) شعرالعجم جلد۵۔ص۵۶

(۳۵) ایضاً،جلد۲،ص۲۱۲

(۳۶) مقالات شبلی۔جلد۴،ص۲۳۔۲۲ (۳۷) جلد۴۔ص ۹۸۔۹۷

(۳۸) جلد۲۔ص ۱۸۸ (۳۹) ایضاً۔ص۲۱۹

(۴۰) ایضاً۔ص۲۱۲ (۴۱) ایضاً۔ص۱۷

(۴۲) اردو مرثیے کی سرگزشت ۔ص۷

✿✿✿